انسانی جرائم کی تاریخ

کولن ولسن ترجمہ: یونس منصور

مشعل

ترتیب

انسانی جرائم کی تاریخ	5
تعارف	7
انسانی تشدد کی نفسیات	12
تشدد پسند آدمی	45
خودتباہی کی نفسیات	77
انسان — ارتقا کے زینہ پر	105
احساس کا عذاب	133

دوسرا حصہ: تاریخ کی مجرمانہ آؤٹ لائن

قزاق اور مہم جُو	169
ایک یادگار شہر	185
نیرو سے کونسٹن ٹائن تک	211
سلطنت روم کا خاتمہ	236
یورپ کا بحران	255
قاتل اور فاتح	283
نئی دنیاؤں کی تلاش	315
چرچ کی بالادستی	330
تاریخ اپنے اُصول بدلتی ہے	345

MashalBooks.com

انفرادیت پسندی سے بغاوت تک	360
جرائم کی صدی	373
بغاوت	404
مافیا	422
سیاسی غنڈہ گردی	463
کرائم ایکسپلوژن	479
حقیقت کا شعور	506

MashalBooks.com

انسانی جرائم کی تاریخ

کولن ولسن کہتا ہے کہ جب انسان نے کسی تالاب میں پہلی بار اپنی صورت دیکھی تو حیران رہ گیا۔

''اچھا! تو یہ 'میں' ہوں؟''

اور غضب ہو گیا، کہ پھر 'میں' کی خون آشام تلوار میان میں کبھی واپس نہیں گئی۔

تاریخ بدلتی رہی، ہاتھ بدلتے رہے مگر تلوار وہی رہی ـــــ 'میں' کی تلوار ـــــ کبھی اٹیلا کے ہاتھ میں لہرائی، کبھی ہلاکو کے ہاتھ میں بجلی بن کر چمکی ـــــ صدیوں کا سفر طے کرتے ہوئے، ہاتھ بدلتے ہوئے ـــــ آج یہ تلوار جس کے ہاتھ آئی ہے اس کا کوئی نام نہیں، کوئی چہرہ نہیں ـــــ

مگر اٹیلا ہو یا ہلاکو ـــــ ایک دن میں وہ کتنے انسان قتل کر سکتے تھے؟ کتنی فصلیں، کتنے درخت اجاڑ سکتے تھے، جبکہ آج تلوار جس 'بے نام'، 'بے چہرہ' تلوار باز کے ہاتھ میں ہے وہ آنکھ جھپکنے میں بستیوں کی بستیاں اُجاڑ سکتا ہے۔

سکندرِ اعظم کے لیے جنگ محض عیاشی تھی۔ شاید اسے فاتح عالم کہلانے کا شوق تھا۔ اس نے انسانوں کی لاشیں رَوند کر اپنا شوق پورا کیا۔ ان انسانوں کی لاشیں، جن کے متعلق تاریخ نے کبھی نہیں بتایا کہ ان کے کیا خواب تھے، کیا آرزوئیں تھیں۔

پھر قتل کے جواز کی تلاش شروع ہوئی، مگر قتل کا کبھی کوئی جواز نہیں ہوتا۔ عالمی جنگ کے میدانوں میں، نہ شکاگو کے تہہ خانوں میں۔ ہر دور میں قاتل قتل کا جواز پیدا کرتا ہے، اپنے لیے بھی اور ان کے لیے بھی جنہیں اس سے بدلہ لینا ہوتا ہے۔

'میں' سے 'میں' ٹکراتی ہے، اور انسان ایک بار پھر خاک و خون میں غلطاں نظر آتا

ہے۔کنفیوژن ہے—— بے پایاں کنفیوژن—— کچھ سمجھ میں نہیں آتا، کچھ دکھائی نہیں دیتا . . کسے مارنا ہے؟ کیوں مارنا ہے؟ گونگی اندھی تقلید ہے، ریموٹ کا بٹن دبنا ہے اور جیتے جاگتے انسان کو چھوٹے بڑے ٹکڑوں کی صورت فضا میں بکھر جانا ہے۔ جب کہ اس کا نام ان کی ہٹ لسٹ میں بھی نہیں۔

یہ ایک نیا شہر آشوب ہے۔

آج کا انسان ترقی یافتہ ہے۔اس ترقی یافتہ انسان نے قتل کے 'ترقی یافتہ' طریقے دریافت کر لیے ہیں۔ایسے طریقے کہ چشم زدن میں ناگاساکی اور ہیروشیما برپا ہو سکتے ہیں۔

تشدد ہمیشہ بے جواز ہوتا ہے۔ انسانی عقل کی ناکامی اور انسانی دانش کی شکست تشدد کا دوسرا نام ہے۔مگر اس میدانِ جنگ میں ایک اور طاقت بھی ہمیشہ موجود رہتی ہے جو کسی کی غلام بنتی ہے نہ کسی کو غلام بناتی ہے۔اس نے اپنی 'میں' پر فتح پائی ہے، وہی طاقت اس دُنیا کی آخری اُمید ہے۔

یہ کتاب کولن ولسن کی مشہور کتاب **A Criminal History of ManKind** کا خلاصہ ہے۔ یہ کتاب ۱۹۸۴ء میں چھپی تھی اور اب تک اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ کولن ولسن نے ناول اور ادبی تنقید سے لے کر فلسفہ، مخفی علوم، جرائم اور نفسیات جیسے ہر موضوع پر کتاب لکھی ہے اور اس کی ہر کتاب مقبول ہوئی ہے۔اب تک وہ ساٹھ سے زیادہ کتابیں لکھ چکا ہے۔ وہ ۱۹۳۱ء میں پیدا ہوا اور اس کی پہلی کتاب **The Outsider**، ۱۹۵۶ء میں چھپی۔ کہتے ہیں اس کا گھر کتابوں سے بھرا ہوا ہے اور ہر موضوع پر کتابوں کے لیے اس نے الگ الگ سائبان بنا رکھا ہے۔

یونس منصور

لاہور

MashalBooks.com

تعارف

میں قریباً بارہ برس کا تھا جب ایک بک شاپ میں مجھے ایچ جی ویلز کی کتاب 'آؤٹ لائن آف ہسٹری' کا اوریجنل ایڈیشن ملا۔ (جو 1920 میں شائع ہوا تھا) اس کے بعض حصے کھو جانے کی وجہ سے تھوڑی سی رقم کے عوض میں نے اسے خرید لیا۔

سچ تو یہ ہے کہ مجھے وہ شان دار رنگین تصاویر بہت اچھی لگیں جو پورے صفحات پر پھیلی ہوئی تھیں۔ ان پر پتھر کے زمانہ سے بھی پہلے کے ڈائنا سور سے مشابہ مکروہ اور گھناؤنے اژدھے، پتھر کے زمانے سے تعلق رکھنے والے یورپ کے وہ وحشی اور خونخوار انسان جو اپنے غاروں میں داخل ہو رہے تھے اور رامسیز دوم کے چٹانوں جیسے قدر آور مجسمے اور ابوسمبل میں اس کے یادگار کھیل اور تماشے طبع تھے۔ میں ان میں اس طرح ڈوبا کہ یہ سنسنی خیز تجربہ ویلز کی تاریخ کو پرکاہ کی طرح بہا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ آج بھی میں جب ان تصویروں پر نظر ڈالتا ہوں تو ایک جادوئی مسرت میرے رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے۔ بالکل اس مسرت کی طرح جسے بچے ہمیشہ اس فقرے میں پاتے ہیں کہ 'ایک دفعہ کا ذکر ہے۔'

1946 میں 'پینگوئین' نے ویلز کی اَسّی ویں (80) سالگرہ کے موقع پر ''آؤٹ لائن آف ہسٹری'' کی دس جلدیں ایک بار پھر شائع کیں۔ ان کے ساتھ ''آؤٹ لائن . . '' کا خلاصہ بھی 'اے شارٹ ہسٹری آف دی ورلڈ' کے نام سے شائع کیا۔ یہی وہ ایڈیشن تھا جس کے آخر میں وہ مختصر سی تحریر دیکھی جس کا عنوان تھا 'ذہن مایوسی کی انتہا پر'۔ میں یہ تحریر پڑھ کر اتنا دل گرفتہ ہوا کہ دیواروں سے سر ٹکرانے کو جی چاہا۔ ''1940 سے واقعات کے ایک زبردست سلسلہ نے ہمیں سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ انسانی تاریخ شاید اپنے انجام کو پہنچ چکی ہے اور وہ homosapiens انسان جیسا کہ وہ اپنے آپ کو کہہ کر اِترایا کرتا تھا، بازی ہار چکا ہے۔''

یہ بات دوسری عالمی جنگ کے آغاز میں نہیں لکھی گئی تھی ورنہ شاید سمجھ میں آ جاتی۔ یہ انکشاف ہٹلر کی شکست کے بعد ہوا تھا۔ جب میں نے ''شارٹ ہسٹری . .'' کا ابتدائی ایڈیشن دیکھا تو 'آؤٹ لائن' کی طرح اس کا خاتمہ بھی پُر امید اور خوشگوار تھا۔ ''اب تک انسان نے جو چھوٹے چھوٹے کارنامے کیے ہیں اور جن کی تاریخ ہم بیان کر چکے ہیں، وہ اس آنے والے عہد کی طرف محض ایک اشارہ ہے جب انسان فی الحقیقت بڑے کارنامے سرانجام دے گا،'' اور 'آؤٹ لائن' کا خاتمہ اس نوید پر ہوتا ہے کہ ''دنیا لیگ آف نیشنز اور ورلڈ گورنمنٹ کے ذریعے امن حاصل کر لے گی،'' اور یہ جملہ کہ ''جنگ کے خاتمہ کیلئے جنگ''، بھی ویلز کی ایجاد ہے۔

پھر کیا ہوا؟ کئی سال بعد میں نے ویلز کے ایک دوست، ایک انجیلی مؤرخ ہیو اسکوفیلڈ سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ ''ویلز کو پورا یقین تھا کہ نسل انسانی کے ہر مسئلہ کا حل اس کے پاس ہے مگر جب اسے احساس ہوا کہ کوئی شخص اسے اہمیت نہیں دیتا تو وہ برا مان گیا اور اس کے مزاج میں تلخی آ گئی۔'' اس وقت تو یہ بات میں نے مان لی مگر مجھ پر اصل حقیقت بعد میں آشکار ہوئی۔ 1936 میں ویلز نے ایک مختصر ناول 'The Croquet Player' لکھا جو اس کی پہلی تحریروں سے حیرت انگیز طور مختلف تھا۔ اس ناول سے پتہ چلتا ہے کہ ویلز کو انسانوں کی سفاکی اور اذیت پسندی کا اندازہ ہو گیا تھا۔ لیکن 'آؤٹ لائن' خونریزی اور ظلم سے صرفِ نظر کرتی ہے۔ بلکہ اس میں ان کا ذکر بھی شاید ہی کہیں ہو۔ لگتا ہے کہ ویلز بدی اور ظلم کے اس رجحان سے بالکل بے خبر تھا جس کا ذکر آرنلڈ ٹوائن بی نے اپنی تصنیف ''سٹڈی آف ہسٹری'' (مطالعہ تاریخ) میں کیا ہے۔ اور جسے ٹائن بی نے انسانی معاملات میں گناہ کے لرزہ خیز وجود سے تعبیر کیا ہے۔ جرم کے بارے میں ویلز کا نقطۂ نظر بڑے عملیت پسندانہ اطمینان کا مظہر ہے۔ اپنی تصنیف 'Wealth and Happiness' کے مطابق وہ سمجھتا ہے کہ جرم کی کوئی اصلیت نہیں۔ ''جرم کا وجود نارمل ''نیچرل'' انسان پر پابندیوں کا نتیجہ ہے۔'' پابندیاں اس لیے عائد کی جاتی ہیں کہ معاشرہ قائم رہے اور روز افزوں ترقی کرے۔ ایسا لگتا ہے کہ اسے تقریباً 2500 سال (قبل مسیح) کی انسانی تاریخ کا علم نہیں تھا جو مسلسل خونریزی، قتل اور تشدد سے عبارت ہے۔ نازی دور کے مظالم سے اسے احساس تو ہوا مگر ہیروشیما اور ناگاساکی کی بربادی، Belsen اور Buchenwald کے انکشافات نے اسے قائل کر دیا کہ انسان شروع سے ہی ہلاکت کے راستہ پر گامزن ہے اور اب اس کا انجام دور نہیں۔

میں نہیں کہتا کہ تاریخ کے بارے میں ویلز کا نقطۂ نظر غلط یا صداقت سے عاری

ہے۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے وہ تو آسانی کے ساتھ سمجھ میں آ جاتا ہے۔ وکٹورین عہد کے آخری دنوں سے تعلق رکھتے ہوئے وہ انسانی تاریخ کو کارناموں اور ایجادات کی شان دار کہانی سمجھتا تھا، خطرات اور مصائب کے خلاف ایک طویل جنگ، جس سے نئی تہذیب پیدا ہوئی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کا تخلیقی جوہر اس کا امتیازی وصف ہے۔ مگر اس سے یہ خطا ہوئی کہ وہ دیکھ نہیں سکا کہ انسان کتنا تنگ نظر اور خود پسند ہے۔ وہ اپنا توازن کھو چکا ہے جس کی وجہ سے وہ مفاد پرست اور ظالم ہو گیا ہے۔ ظلم کا یہ رجحان 'شارٹ کٹ' کی ذہنیت پیدا کرتا ہے، جو ہر جرم کی بنیاد ہے۔

ہٹلر کے دور میں قتل عام اس لیے نہیں ہوئے کہ ''نیچرل'' انسان پر کوئی پابندی لگائی گئی تھی تا کہ انسانی معاشرہ قائم رہے اور پھلے پھولے۔ اس کے برعکس وہ قتل ایک بگڑے ہوئے بے سمت آئیڈیل ازم کی پیداوار تھا تا کہ اس دنیا سے بہتر دنیا تخلیق ہو سکے۔ ہیروشیما کو تباہ کرنے کے پیچھے بھی یہی مریضانہ ذہنیت کارفرما تھی اور 1960 سے یہ دہشت پسندوں کی فائرنگ، دھماکے اور بے دریغ انسانی قتل، جو روز مرہ کا معمول بن گئے ہیں، ان کا محرک بھی یہی خودستائی اور کج فہمی ہے۔ جاپانی رَیڈ بریگیڈ جس نے Lod ائیرپورٹ پر مسافروں کو مشین گنوں سے بھون ڈالا اور اطالوی دہشت پسند جنہوں نے یونیورسٹی کلاس روم پر حملہ کر کے پروفیسر کی ٹانگوں پر اس لیے گولیاں برسائیں کہ وہ طالب علموں کو ''بورژوائی قدریں'' سکھاتا ہے، ان سب کے متعلق ہولناک بات یہ ہے کہ وہ کوئی حواس باختہ پیشہ ور قاتل نہیں تھے بلکہ سچے دل سے دنیا کی بہتری اور بھلائی چاہتے تھے۔ یہ جان کر محسوس ہوتا ہے کہ جرائم کی دنیا چند سر پھرے اخلاق باختہ افراد سے آباد نہیں بلکہ ٹیڑھی سوچ اور تخلیقی قوت کی کج روی کا لازمی نتیجہ ہے۔ دنیا کے بدترین جرائم برے اور بھٹکے ہوئے لوگوں نے نہیں کیے، ان کے پیچھے ذہین اور ذمہ دار افراد کا ہاتھ ہے۔

بنیادی طور پر اس احساس نے ویلز کو اس کے آخری دنوں میں دنیا سے مایوس کر دیا۔ عمر بھر وہ کہتا رہا کہ عقل (استدلال) اور ذہانت ہی انسانوں کی رہنما ہیں۔ اس نے اعلان کیا تھا کہ پہلی عالمی جنگ اس لیے لڑی گئی کہ آئندہ جنگ نہ ہو اور یہ کہ لیگ آف نیشنز اور عالمی حکومت دنیا میں امن کے قیام کو یقینی بنائیں گی، مگر اسی موقع پر دنیا نئے تشدد، قتل اور غارت گری کی آماج گاہ بنی۔ سٹالن کے ہاتھوں Kulaks (خوشحال روسی زمیندار) کا خون، جاپانیوں کے ہاتھوں نانکنگ کی بربادی، ہٹلر کے ٹارچر کیمپ اور ایٹم بم ـــــ ویلز کو یقین آ گیا

ہوگا کہ اس کی ساری زندگی خوش فہمیوں کی نذر ہوئی ہے اور یہ کہ انسان مایوس کن حد تک ظالم اور جاہل ہے۔

اگر ویلز کو تشدد کی نفسیات سے کچھ اور واقفیت ہوتی تو اس کی بصیرت اتنی آسانی سے اسے مایوسیوں کے حوالے نہ کرتی۔ کسی بگڑے ہوئے انسان کی نیکی کے بجائے بدی کرنے کی خواہش کو جرم نہیں کہہ سکتے۔ 'شارٹ کٹ' لینا صرف بچکانہ ذہنیت ہے۔ ہر جرم کا مقصد چھیننا اور جھپٹنا ہے۔ کچھ دیئے بغیر لینے کی کوشش ہے۔ چور محنت کے بجائے چوری سے اپنی ضروریات پوری کرتا ہے۔ جنسی مریض لڑکی کو سپردگی پر آمادہ کرنے کے بجائے اس کی عزت لوٹتا ہے۔ فرائیڈ نے کہا ہے کہ ''اگر بچے کے پاس طاقت ہو تو وہ ساری دنیا تباہ کر سکتا ہے۔'' اس کا کہنا ہے کہ بچہ اپنی اندر کی دنیا میں گم رہتا ہے۔ وہ کسی اور کی بات سمجھ ہی نہیں سکتا۔ مجرم ایک ایسا بالغ ہے جو بچہ ہونے اور بچہ رہنے پر اصرار کرتا ہے۔

مگر اس بچکانہ ذہنیت میں خرابی ہے۔ لوٹ مار کا خواہشمند زیادہ دیر خوش نہیں رہتا، حساس ہو تو اس کی حالت اذیت ناک بلکہ قابل رحم ہوتی ہے۔ زندگی میں وہ لمحے مسرت کے ہوتے ہیں جب ہم اپنے باطن کی دنیا سے اوپر اٹھ کر دنیا کو دیکھتے ہیں۔ جو ہمارے اندر کی حقیر خواہشات اور جھوٹے پندار سے ہمیں نجات دلاتے ہیں۔ تاریخ کے بڑے بڑے ظالم اور جابر لوگ جو دوسروں کو خاطر میں لائے بغیر اپنی سفلی خواہشات اور عزائم پورے کرتے رہتے ہیں، وہ بالآخر پاگل ہو کر مرتے ہیں۔ اس لیے کہ خواہشات سے بڑا ظالم اور جابر کوئی اور نہیں ہوتا۔

ہر نسل کے ساتھ جرم نئے سرے سے زندہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اکثر انسان ہمیشہ نابالغ رہتے ہیں۔ بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو بالغ ہوں۔ مگر اتنا تو ہے کہ یہ کیفیت دائمی نہیں ہوتی، جبکہ انسانی تخلیق ایک دائمی عمل ہے۔ شیکسپیئر مارلو سے فیض پاتا ہے اور گوئٹے کو انسپائر کرتا ہے۔ بیتھوون ہیڈن سے سیکھتا ہے اور واگنر (Wagner) کو انسپائر کرتا ہے۔ نیوٹن کیپلر سے فیض پا کر آئن سٹائن کو راستہ دکھاتا ہے۔ اسی طرح چراغ سے چراغ روشن ہوتا ہے مگر جیک دی رپر، ولاد امپیلر اور ایل کپون کا کوئی وارث، کوئی نام لیوا نہیں ہوتا۔ ان کے سیاہ اعمال ان کے ساتھ ہی دفن ہو جاتے ہیں۔ اپنے اوپر کنٹرول نہ ہونے کی وجہ سے مجرم قدرتی طور پر حالات و اتفاقات کا شکار ہو جاتا ہے۔ انسان نے تہذیب کا موجودہ معیار اس لیے حاصل کیا ہے کہ تخلیق کا عمل آگے بڑھے۔ جبکہ جرم ٹھہرے ہوئے پانیوں کی طرح ساکت و جامد ہوتا ہے اور سڑتا رہتا ہے۔

شاید ہم سوچیں کہ ویلز کوئی ناتجربہ کار مؤرخ تھا جس نے سادہ دلی کی وجہ سے مان لیا تھا کہ جنگ اپنے انجام کو پہنچ چکی ہے۔ مگر اس میں کسی حد تک تو اس کی سوشوبائیالوجی سے ناواقفیت کا دخل ہے۔ جب ٹن برگن (Tinbergen) اور لورنز (Lorens) نے ہمیں بتا دیا کہ حیوان زیادہ تر حملہ زمین کے کسی حصے پر قبضہ کرنے کے لیے کرتا ہے تو صاف واضح ہو گیا کہ دنیا کی تمام جنگیں خطۂ زمین (territory) حاصل کرنے کے لیے لڑی گئی ہیں۔ یہاں تک کہ ظالموں کے ظلم اور سفاکی کی مثالیں حیوانوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ حال ہی میں پتہ چلا ہے کہ اکثر زور آور نر شیر اور Baboons بن مانس سے لے کر Hamstrs اور Gerbals تک اکثر اپنے شکست خوردہ حریفوں کے وارثوں کو بھی مار ڈالتے ہیں۔ مرغیاں اپنے چوزوں سے اور زیادہ چھوٹے چوزوں کو مروا دیتی ہیں۔ بگلے کے علاقہ میں آس پاس سے کوئی چھوٹا بگلا آ جائے تو بچ نہیں سکتا۔ پرنس کا ٹیکن لگتا ہے غلطی پر تھا جب اس نے یقین کر لیا کہ تمام جانور آپس میں مل جل کر پیار سے رہتے ہیں اور صرف انسان ہیں جو آپس میں قتل و غارت کرتے ہیں۔ Zoology (حیوانیات) سے ہم نے سیکھا ہے کہ جرم ہمارے حیوانی ورثہ کا حصہ ہے۔ اس لیے انسانی تاریخِ عمرانیات کو ٹیکسٹ بک (نصابی کتاب) کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

کیا تاریخ کے اس نئے تصور سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان اپنے ہی تشدد کے ہاتھوں مارا جائے گا؟ کوئی اس امکان کو رَد نہیں کر سکتا۔ مگر ہر بات کا تاریک پہلو دیکھنے والے ہماری شخصیت کے اس حصہ کو نظر انداز کرتے ہیں جسے ویلز نے اتنی اچھی طرح سمجھا ہے۔ یعنی اپنی ذہانت کے زور پر آگے بڑھنا۔ یہ سچ ہے کہ انسانی تاریخ بنیادی طور پر جرائم کی تاریخ ہے مگر انسانی تاریخ تخلیق کی تاریخ بھی ہے۔ ٹھیک ہے کہ نسل انسانی کسی ایٹمی سانحہ کی وجہ سے تباہ ہو سکتی ہے۔ مگر جس کسی نے بھی تاریخ پڑھی ہے وہ جانتا ہے کہ ایسا ہونا امکان سے دور . . بہت دور ہے۔ جرم کی نوعیت کو سمجھنا اس بات کو سمجھنا ہے کہ جرم کیوں ہمیشہ ذہانت اور تخلیق کا اثر قبول کرتا رہے گا۔

یہ کتاب یعنی نسل انسانی کی کہانی، جرم اور تخلیق کے باہمی تعلق پر روشنی ڈالنے کی ایک کوشش ہے۔ اس سے جو بصیرت حاصل ہو، اس کے ذریعہ انسانی ترقی کے اگلے مرحلہ پر ان دونوں میں تمیز کرنا ہے۔

MashalBooks.com